Fikr-o-Nasar (Islamabad) 12:8 (1975)

محمد اقبال فلسفی شاعر

ڈاکٹر عبداللہ عمرانی

مترجم محمد الغزالی

ڈاکٹر عبداللہ عمرانی پاکستان سے محبت رکھنے والے ایک معروف مراکشی فاضل ھیں ۔ پاکستان اور اسلام سے محبت نے انھیں اقبال سے متعارف کرایا ۔ اقبال پر ان کا ایک مضمون عربی مجلة ''دعوة الحق،، کے شمارہ ۷ جلد ۸ بابت ماہ رجب ۱۳۹۴ھ مطابق اگست ۱۹۷۴ء میں ''محمد اقبال الشاعر الحکیم،، کے عنوان سے شائع ھوا تھا ۔ یہ رسالہ ھر ماہ وزارت الاوقاف و الشؤون الاسلامیہ بالمملکة المغربیہ، رباط مغرب کی طرف سے شائع ھوتا ھے ۔ اقبالیات کے طالب علموں کو اس سے دلچسپی ھوگی کہ عرب دنیا میں اقبال کو کس نظر سے دیکھا جاتا ھے ۔ (ادارہ)

۱۹۵۲ء کے موسم بہار میں شہر تطوان (Tituan) میں ایک پاکستانی وفد کا جو جناب انعام اللہ خان اور جناب سعید رمضان پر مشتمل تھا خیرمقدم کیا گیا ۔ ان دنوں پاکستان کو قائم ھوئے تھوڑا ھی عرصہ گذرا تھا ۔ اس وقت اس نوزائیدہ مملکت کی عمر چار سال اور چند مہینے ھی ھوگی ۔ مجھے اچھی طرح یاد ھے کہ پاکستانی وفد کے اعزاز میں منعقدہ تقریب کے موقعہ پر میں نے ایک خیر مقدمی قصیدہ ان کے حضور پیش کیا تھا ۔ اس قصیدہ کے چند اشعار کا یہاں دھرانا بے محل نہ ھوگا :

۱ ۔ ھی ذی دولة الباکستان ھبت فذلت نحوھا الدنیا بذعور

'یہ ریاست پاکستان ہے ! جب یہ اٹھ کھڑی ہوئی تو پوری دنیا کانپ کر رہ گئی'

۲ - أين كان العملاق ؟ في قمقم الجن حبيسا ؟ أم في خفي الحجور؟

'یہ زبردست وجود کہاں تھا ؟ کیا جنات کی پہاڑیوں میں محبوس تھا یا کسی بل میں چھپا ہوا تھا ؟

۳ - في السما يرقب النزول و يحنو لحياة . . ؟ أم من وراء لستور؟

'کیا یہ آسمان سے اپنے اترنے اور نئی زندگی حاصل کر لینے کا منتظر تھا یا کسی پردہ کے پیچھے چھپا ہوا تھا ؟

۴ - بهت العالم الغريد بهذا ورأى ان سينتهي من غرور

'دنیا اس کی آمد سے حیرت زدہ ہو کر رہ گئی اور اس کو معلوم ہوگیا کہ اب دنیا سے ہر بے یقینی اور غلط فہمی کا خاتمہ ہو جائے گا'

۵ - فليدع جانبا تجاهله قو ما أرادوا الحياة لا كالاسير

'اب دنیا کو چاہئے کہ اپنے اس تجاہل کو چھوڑ دے اور اس قوم کے وجود سے باخبر ہو جائے جو آزادی کے ساتھ زندہ رہنے کا عزم رکھتی ہے ،

آگے چل کر میں نے کہا تھا :

۶ - ايها الشرق حان وقتك فا نهض و تسلم زمام كـون غـريـر

'اے مشرق اب تیرا دور آگیا ہے، اب تو اٹھ کھڑا ہو اور اس پریشان دنیا کی قیادت سنبھال لے'

۷ - ايها المسلمون في المشارق و الغرب تعالـوا الى كلام القدير

'مشرق و مغرب کے مسلمانو ! اللہ رب العزت کے اس فرمان کو اختیار کرلو :'

۸ - كنتم خير أمة أخرجت للنا س، كنتم — مهابة — كالهصوو

'تم وہ بہترین است ہو کہ لوگوں کی راہنمائی کے لئے بھیجے گئے ہو، تم شیروں کی طرح ہو جن کے رعب و داب سے دنیا کانپتی ہے'

۹ - مجدکم لن یفنی و عزکم الخا لد باق، کما بقاء الدهور

'تمہاری عزت اور بزرگی کبھی ختم نہ ہوگی، تمہارا شرف و احترام ہمیشہ رہے گا . . . اس وقت تک جب تک کائنات باقی ہے'

۱۰ - فاستعیدوا المجد التلید و خطوا صفحة العز فوق هام العصور

'اپنی گمشدہ عزت کو دوبارہ حاصل کرلو اور زمانے کی پیشانی پر دوبارہ اپنی عزت کے صفحات ثبت کردو'

جی ہاں! مملکت خداداد پاکستان کا قیام اسلامی کیمپ کے لئے تقویت اور اسلام کی شوکت میں اضافہ کا باعث ہوا تھا۔ یہ ریاست حکیم الامت علامہ اقبال رحمۃاللہ علیہ کے تصورات کے مطابق قائم ہوئی تھی۔ وہ محمد اقبال جن کی ۹۷ ویں سالگرہ آج کل تطوان اور مراکش کے دیگر شہروں میں منائی جارہی ہے۔ اقبال علیہ‌الرحمۃ نے ۱۹۳۰ء ہی سے مسلمانوں کی ہندوؤں سے علیحدگی اور ایک آزاد اسلامی مملکت کے قیام کا مطالبہ شروع کردیا تھا۔

اس کے بعد جنوری ۱۹۳۳ء میں انگلستان میں زیر تعلیم ہندوستان کے مسلمان طلبہ نے مجوزہ نئی ریاست کا نام تجویز کیا۔ یہ نام مجوزہ ملک کے مختلف اجزاء سے مرکب تھا، یہ اجزاء ہندوستان کے مسلم اکثریتہ کے علاقے تھے۔ چنانچہ پ سے پنجاب، الف سے شمالی مغربی صوبہ سرحد، ک سے کشمیر، س سے سندھ اور تان سے بلوچستان مراد تھا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس نئی ریاست کے وجود پذیر ہونے سے پندرہ برس پہلے ہی اس کا نام بھی تجویز کر لیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ لفظ

پاکستان پاک اور استان سے مرکب ہے اور پاک لوگوں کا ملک ہونے کے معنی بھی رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے عظیم فلسفی شاعر اقبال سر سید کے پیرو سمجھے جاتے ہیں۔ سر سید کا شمار ہندوستان کے ان عظیم فکری رہنماؤں اور مصلحین میں ہوتا ہے جن میں سے چند بڑے بڑے یہ ہیں :

۱۔ الطاف حسین حالی متوفی ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء جن کے اشعار کو عوامی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ ان کے اشعار میں غربت کے مظاہر سے ہمدردی اور حزن نمایاں ہے، شاعر کا دل معاشرہ کے نچلے طبقہ سے وابستہ تھا۔ ان کے اشعار موجودہ نسل کو ان کے اسلاف کی عظمتیں یاد دلاتے ہیں۔

۲۔ نذیر احمد: جن کے اردو میں لکھے ہوئے افسانے بڑے پیمانے پر ذوق و شوق سے پڑھے جاتے ہیں، ان کے افسانوں میں روایتی خیالات اور افکار کی ترجمانی ہوتی ہے۔ اس میں وہ سرسید سے بھی بڑھ گئے ہیں۔

۳۔ شبلی نعمانی: متوفی ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء، یہ عظیم مورخ اور شاعر تھے۔ ان کی رائے تھی کہ مغربی اطوار و اقدار کی اصلاح کرکے انہیں اسلام کی کسوٹی پر پرکھ کر قابل عمل بنانا چاہئے۔ انہوں نے مدت العمر ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی اصلاح کے لئے جد و جہد کی اور اپنے شاگردوں کی ٹیم تیار کرکے یہ کام کیا۔

۴۔ سید امیر علی متوفی ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء یہ بھی مورخ تھے، انہوں نے ایک کتاب ''عربوں کی مختصر تاریخ،،(۱) بھی لکھی ہے۔ اس کے علاوہ وہ دینی اور سماجی مصلح بھی تھے، انہوں نے ایک کتاب ''روح اسلام،،(۲) بھی لکھی ہے۔ یہ دونوں کتابیں انگریزی میں ہیں اور عربی

۱- A Short History of Saracens

۲- The Spirit of Islam

میں منتقل ہوچکی ہیں ۔

۵ ۔ محمد اقبال، عالم اسلام کے عظیم ترین و بزرگ ترین شاعر اور معروف فلسفی ہیں ۔ اسلامی ریاست پاکستان کے تصور کے خالق ہیں ۔ اقبال ہی نے سب سے پہلے اس بات کو محسوس کیا کہ چونکہ مسلمانوں کا بت پرست ہندوؤں کے ساتھ رہنا محال ہے اس لئے ہندوؤں اور مسلمانوں میں سیاسی علیحدگی ضروری ہے ۔ اقبال نے ۱۹۰۹ء میں لکھا تھا :

''پہلے میرا خیال تھا کہ ہندوستان میں مذہبی مخالفتیں اور نزاعات ختم ہو جائیں گے اور اب تک بھی میں اپنے طور پر اس کے لئے کوشاں ہوں، لیکن آج میں یہ اندازہ کر رہا ہوں کہ ہندوستان میں دونوں قومیتیں ہندو اور مسلمان اپنی وحدت اور وجود کو برقرار رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا چاہتی ہیں، ایک متحدہ وطن کا بظاہر سنہرا خواب شاعرانہ مزاج کو تو بھاتا ہے مگر موجودہ حالات دیکھ کر یہ بات عیاں ہے کہ یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہونے والا،، ۔

اقبال کا شمار تین عظیم ترین شاعروں میں ہوتا ہے جن میں حالی اور غالب شامل ہیں، حالی کا ذکر ہوچکا، غالب وہ شاعر ہے جس نے اردو شاعری میں وہ کردار ادا کیا جو محمود سامی البارودی نے جدید عربی شاعری میں کیا تھا ۔ ان دونوں نے اپنی اپنی زبانوں کی شاعری کی اصلاح کی اور اسے چار چاند لگا دئیے ۔ انہوں نے قدیم شاعری کو ایک نیا انداز اور اسلوب بخشا اور اسے نئے پیمانے اور ڈھانچے عطا کر کے موجودہ زمانے کے جدید قالب میں ڈھالا ۔

اقبال اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ایک مثالی ہونہار طالب علم تھے، انہوں نے اپنی اعلی تعلیم سکاچ مشن کالج لاہور (پاکستان) میں مکمل کی اور امتیازی پوزیشن کے ساتھ وہاں کی سند حاصل کی ۔ اس کے بعد گورنمنٹ

کالج لاهور میں دو درجے آگے تک مزید تعلیم حاصل کی۔ اسی دوران انھوں نے مستشرق سر تھامس آرنلڈ کی شاگردی کی۔ ۱۹۰۵ میں اقبال انگلستان چلے گئے اور کیمبرج یونیورسٹی میں پڑھتے رہے۔ وہاں سے جرمنی جا پہونچے اور ہائیڈلبرگ اور میونخ کی یونیورسٹیوں میں مزید تعلیم حاصل کی اور فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کرکے اس کو تکمیل تک پہونچایا۔ ان کے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ کا عنوان "Development of Metaphysics in Persia" 'ایران میں فلسفہ ما بعد الطبیعیات کا ارتقاء' تھا، لیکن یہ ساری مصروفیتیں انہیں اپنی دیگر علمی اور فکری سرگرمیاں جاری رکھنے میں مانع نہیں ہوئیں اور وہ بدستور فلسفہ و تصوف سے اپنی پیاس بجھاتے رہے۔

اقبال کو عربی سمیت متعدد زبانوں پر پورا عبور حاصل تھا، اگرچہ ان کا شعری سرمایہ جو ہمارے سامنے ہے وہ ان کی قومی زبان اردو یا فارسی زبان میں ہے جس کا برطانوی قبضہ سے پہلے خصوصاً اور بعد میں عموماً ہندوستان میں خاصا اثر تھا۔ باقی جہاں تک ان کے فلسفہ اور عقلیات کا تعلق ہے وہ سب انگریزی زبان میں ہے جو انگریزی استعمار نے سرکاری زبان کی حیثیت سے بر صغیر پر مسلط کردی تھی۔

محققین کا خیال ہے کہ ہندوستان کے فارسی داں شعراء میں اقبال عظیم ترین مقام رکھتا ہے۔ ان کا شمار ان گنے چنے اعلی پایہ کے شعراء میں ہوتا ہے جن کے کلام میں اخلاق، سیاست اور کائنات کے بارے میں اسلام کے تصورات و مبادئ بیان ہوئے ہیں۔ اقبال کے کلام سے واقف ہر شخص یہ محسوس کر سکتا ہے کہ ان کے اشعار قاری کو شاعر کی روح کی طرف جذب کرلیتے ہیں، اس میں شعر کے ظاہری محاسن اور اسلوب کی خوبی سے زیادہ شاعر کی روح سرایت کر جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فارسی زبان جس میں ان کا بیشتر کلام ہے اس میں انھیں پوری مہارت اور قدرت حاصل تھی، یہ صلاحیت

انھوں نے اپنے ذاتی مطالعہ سے حاصل کی تھی۔

ان کے ادبی کارنامے اور شعری مجموعے مندرجہ ذیل ھیں:

۱۔ اسرار خودی: یعنی اسرار أنا یا ذات کے اسرار، اقبال نے یہ کتاب فارسی میں ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں لکھی تھی۔

۲۔ پیام مشرق: یہ ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں لکھی گئی۔ یہ مشہور جرمن شاعر گوئٹے کی کتاب "West Ostlicher Diwan" کا جواب ھے۔

۳۔ بانگ درا: ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں اردو میں لکھی گئی۔ اسی کتاب میں وہ نظم بھی شامل ھے جو اقبال نے بنگالی ترانہ بندے ماترم کے طرز پر لکھی تھی۔ حصول آزادی اور قیام پاکستان سے پہلے اضطراب اور بے چینی کا جو دور تھا اس میں اس قسم کے قومی اور وطنی ترانوں کا بڑا چرچا تھا، نظم کا پہلا شعر یوں ھے:

سارے جہاں سے اچھا ھندوستان ھمارا ‏ ‏ ھم بلبلیں ھیں اس کی یہ گلستاں ھمارا

۴۔ زبور عجم، یعنی عجمیوں کی زبور، یہ انھوں نے فارسی میں ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں لکھی تھی۔ آگے چل کر ھم اس سے کچھ اقتباسات پیش کریں گے۔

۵۔ جاوید نامہ یعنی دائمی پیغام، اطالوی مستشرق اسکندر بوزانی کا کہنا ھے کہ اس کا ترجمہ اطالوی زبان میں "آسمانی قصیدہ" (Poema Celeste) کے عنوان سے ھو چکا ھے۔ لندن یونیورسٹی کے پروفیسر اور برطانوی مستشرق الفرڈ گیام (Alfred Guillame) کی طرح اس کی بھی یہی رائے ھے کہ جاوید نامہ اس "طربیہ ایزدی" La Divina Comedia کی صدائے بازگشت ھے جو اطالوی شاعر دانتے الیجری (۱۲۶۵ - ۱۳۲۱ء) نے تصنیف کی تھی۔

لیکن ھم ان محققین اور اس رائے کے ماننے والے دیگر حضرات سے یہ

کہتے ہیں کہ جاوید نامہ اور طربیہ ایزدی دونوں أبوالعلاء المعری کی رسالۃ الغفران کی بازگشت کیوں نہیں ہو سکتیں ؟ یا یہ تینوں معراج کے قصہ سے ماخوذ کیوں نہیں ہو سکتیں جو ادب اسلامی میں مشہور و معروف ہے۔ علمی طور پر یہ ثابت ہوچکا ہے کہ دانتے نے رسالۃالغفران سے استفادہ کیا تھا۔ دانتے کے ہی ایک ہم وطن (Bonaventura da Siena) نے اس کا دانتے کی پیدائش سے ایک سال پہلے ۱۲۶۴ء میں ہی اطالوی زبان میں ترجمہ کر لیا تھا۔ اس اطالوی مترجم نے ہسپانوی نسخہ سے ترجمہ کیا اور ہسپانوی میں ترجمہ شاہ الفونسو دہم المعروف بہ El-Sabio کے دربار سے وابستہ ابراہام نامی ایک یہودی نے براہ‌راست عربی سے کیا تھا۔

اقبال نے جاوید نامہ کا موضوع ایک روحانی سفر کو بنایا ہے جو رسالۃ الغفران اور طربیہ ایزدی سے مشابہت رکھتا ہے۔ لیکن اس میں انھوں نے اپنا مرشد ابن القارح اور ورجیل کے برعکس مشہور صوفی جلال‌الدین رومی کو بنایا ہے۔ اس روحانی سفر میں اقبال مختلف تاریخی شخصیتوں سے ملاقات کرتے ہیں، ان میں انیسویں صدی کے موقظ الشرق سید جمال‌الدین افغانی بھی شامل ہیں جن کی ترجمانی کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں:

عالمے در سینہ ما گم ہنوز ‌‌ ‌ عالمے در انتظار قم ہنوز
عالمے پاک از سلاطین وعبید ‌ ‌ چوں دل مومن کرانش ناپدید
عالمے رعنا کہ فیض یک نظر ‌ ‌ تخم او افگند در جانِ عمر
لا یزال و وارداتش نوبنو ‌ ‌ برگ و بار محکماتش نو بنو
باطنِ او از تغیر بے غمے ‌ ‌ ظاہر او انقلاب ہر دمے

اندروں تست آں عالم نگر
می دہم از محکمات او خبر!

ان کی دیگر تصانیف میں مندرجہ ذیل کتابیں بھی ہیں:

6- The Secrets of Selflessness,

7- The Garden of Mystery,

8- The Caravan Bell,

9- The Traveller,

10- The Gift of Hijaz,

11- The Re-construction of Religious Thought in Islam. اور ان کی کتاب جو ان کے چھ خطبات کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ الاستاذ عباس محمود نے ''تجدید التفکیر الدینی فی الاسلام،، کے نام سے عربی میں کیا ہے۔ عربی ترجمہ کا دوسرا ایڈیشن مجلس تالیف و ترجمہ و طباعت کے زیر اہتمام قاہرہ سے ۱۹۶۸ء میں شائع ہوچکا ہے۔

کتاب کے مصنف اقبال اس کے مقدمہ میں کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ لیکچر شہر مدراس کی اسلامی انجمن کی درخواست پر تیار کئے اور وہاں جا کر یہ لیکچر دئیے۔ یہی لیکچر انہوں نے حیدرآباد اور علیگڑھ یونیورسٹی میں بھی دئیے۔ ان خطبات میں ہمارے عظیم فلسفی شاعر نے اسلام کے دینی فلسفہ کی تشکیل جدید مستحکم طریق پر کرنے کی سعی کی ہے۔ انہوں نے اس تشکیل جدید میں اسلامی فلسفہ کے ساتھ ساتھ علوم انسانی کے عام ارتقاء کے مختلف پہلوؤں کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے۔ اور یہ وقت ایسے کام کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے۔ پروفیسر الفریڈ گیام (Alfered Guillame) نے اس پر یہ تبصرہ کیا ہے:

''باوجودیکہ اقبال کا ہندوستان کے مسلمانوں کے افکار پر گہرا اثر تھا لیکن یہ بات قابل یقین معلوم نہیں ہوتی کہ انہوں نے (ان خطبات کو) جو نام ''تشکیل جدید،، (Re-constraction) دیا تھا وہ اسی طرح تسلیم کیا جاتا ہو،، (اسلام، صفحہ ۱۶۰)

عہد انحطاط میں اجتہاد کے دروازہ کو بند کرنے کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس نے دور جدید میں بہت سے مسلمان مفکرین کی توجہ کو اپنی جانب مبذول کئے رکھا ہے۔ مختلف معروف فقہی مکاتب فکر کے بانی حضرات میں سے کوئی یہ گمان نہیں رکھتا تھا کہ اس کے استنباطات و استنتاجات اور اس کی تعبیریں اور تفسیریں دیگر تفسیروں اور تعبیروں کو چھوڑ کر حرف آخر کا درجہ رکھتی ہیں ۔ اسی بناء پر اقبال یہ کہتے ہیں :

''مسلمانوں کی موجودہ نسل کے روشن خیال لوگوں کا یہ مطالبہ کہ اسلام کے بنیادی اصول قانون کی تشریح و توضیح و تدوین زندگی کے بدلتے ہوئے حالات اور عہد حاضر کے تجربوں کے مطابق نئے انداز سے کی جائے ، میری ذاتی رائے میں یہ مطالبہ اپنے اندر اتنی معقولیت رکھتا ہے جس سے اس کا جواز ثابت ہو سکے ''

ایک مرتبہ ترک شاعر ضیاء گوک الپ نے جو ماہر عمرانیات بھی تھے ایک نظم لکھی تھی جس میں انھوں نے اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ اسلام نے عورت کے مرتبہ کو کمتر قرار دیا ہے ، حالانکہ طلاق ، علیحدگی اور وراثت کے معاملات میں مساوات ہونی چاہئے تھی ۔ اس پر اقبال نے لکھا :

''ہندوستان کے مسلمانوں کی شدید قدامت پسندی (Conservatism) کے پیش نظر یہاں کے قاضی بے چارے اس کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں کہ وہ ان کتابوں کے ساتھ چمٹے رہیں جنھیں معیاری کتب کہا جاتا ہے '' ۔

اس پر پروفیسر گیام کہتے ہیں :

''اقبال کا یہ موقف خصوصاً حوالہ ما قبل میں نقل کئے ہوئے جرأت مندانہ اور بے باک خیال کے بعد کمزور معلوم ہوتا ہے ۔ چنانچہ وہ عورت جیسے اپنے بھائی سے آدھا حصہ میراث میں ملے ، اس کے لئے یہ ایک طفل

تسلی ہے کہ اس سے (پھربھی) کہا جائے کہ قانون مرد کو عورت پر کوئی فوقیت نہیں دیتا۔ اس طرح کا مفروضہ اسلام کی روح کے منافی ہوگا، مگر یہاں اقبال اس واضح قرآنی نص کو نظر انداز کر گئے ہیں کہ ''للرجال علیھن درجة،،۔ اس طرح اقبال اس مسئلہ کے بارے میں شش و پنج میں مبتلا ہیں اور اس کا کوئی واضح حل نہیں پاتے چنانچہ وہ ایک مختصر نظم میں کہتے ہیں :

''میں بھی مظلومی نسواں سے ہوں غمناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقدہ مشکل کی کشود ۔،،

(اسلام، صفحہ ۱۹۳)

لیکن کیا اسلام میں عورت کے حقوق واقعی غصب کئے گئے ہیں۔ میں تو نہیں سمجھتا کہ حقیقی اسلام نے عرب کی عورت کے حقوق غصب کئے تھے۔ بلکہ اسلام نے عورت کو وہ حقوق عطا کئے جو اس سے قبل یا ظہور اسلام کے زمانہ کی معاصر اقوام میں بھی حاصل نہ تھے اور نہ اتنے جدید مغربی نظریات میں عورت کو دئیے گئے ہیں ۔ یہاں پر زیر بحث تین مسائل : وراثت ، طلاق اور سماجی رتبہ (Social Status) پر ہم اگر گہری نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ شریعت اسلامیہ نے وراثت کے باب میں عورت کو اس کے بھائی سے نصف حصہ کا اس لئے مستحق قرار دیا ہے کہ مرد کی ذمہ داریاں عورت کی ذمہ داریوں سے کہیں زیادہ بھاری ہیں۔ مرد کی اضافی ذمہ داریاں یہ ہیں :

۱ - شادی کے موقع پر مرد کے لئے مہر کی ادائیگی لازم ہے۔

۲ - اپنی بیوی کی رہائش، نان نفقہ اور اس کی خادمہ کا خرچ ، اپنے والدین اور بعض حالات میں اپنے قریبی رشتہ داروں اور لواحقین کی معاشی ذمہ داریاں۔

۳ - وسائل زندگی اور حصول معاش کے لئے دوڑدھوپ اور تمام افراد

خانہ کے آرام و آسائش کے حصول کی جدو جہد۔

اس کے برعکس عورت صرف اس کام کی ذمہ دار ہے جو اس کی فطرت اس پر عاید کرتی ہے یعنی گھر کے اندرونی معاملات کو چلانا، بچوں کی پیدائش کے لئے فارغ ہو کر بیٹھنا اور اولاد کی مثالی تربیت کرنا۔ عورت کے معاملات پر دقیق نظر ڈال کر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کے حقوق مرد کے مقابلہ میں وافر ہیں اور یہ مرد سے فی الواقع زیادہ خوش قسمت ہے۔

جہاں تک طلاق کا تعلق ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت کی نظر میں ازدواجی زندگی کی ایسی ناکامی کی صورت میں جس میں کامیابی کے تمام راستے مسدود ہو چکے ہوں یہ ایک آخری پناہ گاہ ہے اور اسے ابغض الحلال قرار دے کر مجبوری کے مندرجہ ذیل حالات میں اس کی اجازت دی گئی ہے:

۱۔ اگر شوہر بیوی کے ساتھ رہنے سے تنگ آچکا ہو تو بغیر اس کے کہ بیوی اسے کچھ عوض دے اور بلا کسی عدالتی چارہ جوئی کے وہ اسے طلاق دے سکتا ہے۔

۲۔ اگر شوہر نے عورت کو اپنے معاملہ میں فیصلہ کرنے کا اختیار تفویض کردیا ہو اور اس کی عصمت اسی کے ہاتھوں میں دے دی ہو تو وہ اگر چاہے تو اپنے کو علیحدہ کر سکتی ہے۔

۳۔ اگر عورت مرد کی بد معاملگی سے تنگ آچکی ہو اور وہ قاضی کے ہاں معاملہ اٹھا کر اسے قائل کر لے کہ اس کا شوہر سوء معاشرت کا مرتکب ہوا ہے تو قاضی اسے طلاق دلوا سکتا ہے۔

۴۔ اگر دونوں کی آپس کی زندگی تلخ اور ناقابل برداشت ہو جائے اور شوہر طلاق دینے سے انکار کرے تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ خلع کی رقم دے کر علیحدہ ہو جائے۔ لیکن اگر بعد کو یہ ثابت ہوا کہ شوہر نے طلاق

سے انکار خلع کی رقم حاصل کرنے کے لئے کیا تھا تو قطعی طلاق جاری کردے گا اور عورت کو اداشدہ رقم واپس دلائے گا۔

جہاں تک سماجی رتبے کا تعلق ہے تو قرآن نے نہ صرف زن و شوہر کو حقوق و واجبات میں مساوی قرار دیا ہے بلکہ الٹا مرد پر نگرانی اور محافظت کی ذمہ داری بڑھا کر اسے مجبور کیا کہ وہ عورت کی حفاظت کرے، ہر برائی سے بچائے رکھے اور اچھائیوں اور مکارم کی جانب اسے لے کر چلے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ''و لھن مثل الذی علیھن بالمعروف، وللرجال علیھن درجۃ،، اور ان کے لئے پسندیدہ طور پر (حقوق) ھیں جیسے ان پر (حقوق) اور مردوں کو ان پر ایک فضیلت ھے، لیکن یہ درجہ جیسا کہ امام اکبر شیخ محمود شلتوت نے اپنی کتاب ''الاسلام: عقیدۃ و شریعۃ،، میں کہتے ھیں:

''یہ درجہ کوئی حاکمانہ اقتدار اور جبر کا نہیں بلکہ نظامت اور ازدواجی بندھن سے وجود میں آنے والے گھریلو معاملات کی دیکھ بھال اور انتظام کا ھے۔

• اجتہاد اور طلاق و وراثت کے مسائل کو ایک طرف رکھتے ہوئے ہم اقبال رح کی زبور عجم کا ایک صفحہ کھولتے ھیں اور اس میں سے کچھ بلند حکمتیں پڑھتے ھیں:

درون سینہ ما سوز آرزو ز کجاست
سبو زماست ولے بادہ در سبو زکجاست

— — —

گرفتم ایں کہ جہان خاک و ما کف خاکیم
بہ ذرہ ذرہ ما درد جستجو زکجاست
نگاہ ما بگریبان کہکشاں افتد
جنون ما ز کجا شور ہائے و ہو ز کجاست

— — —

وادی عشق بسے دور و دراز است ولے
طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے

در طلب کوش و مده دامن امید ز دست
دولتے هست که یابی سر راهے گاهے

دل و دیدهٔ که دارم همه لذت نظاره
چه گنه اگر تراشم صنمے ز سنگ خاره

تو بجلوه در نقابی که نگاه بر نتابی
مه من ! گر ننالم تو بگو دگر چه چاره

هندوستان کے مسلمان نوجوانوں کی نئی ابھرنے والی نسلوں کو جو بات اقبال کے کلام سے سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے اور اپنی طرف کھینچتی ہے وہ اس کی قوی درجہ کی انفرادیت ہے۔ اس کی انقلابی روح معاصر جرمن شاعر نطشے (F.W. Nietzsche) سے مشابہ ہے۔ حکیم الاُمت علامہ اقبال آزادی ارادہ پر پورا یقین رکھتے تھے، لہٰذا عقیدہ قضا و قدر سے انہوں نے عملی جمود اور توکل محض کے معنی مراد نہیں لئے بلکہ اس کے برعکس روح عمل و بیداری و ایجاد کو اس کا مفہوم سمجھا۔ چنانچہ دیکھئے وہ پیام مشرق میں افکار نجوم کے زیر عنوان ایک نظم میں کہتے ہیں :

شنیدم کوکبے با کوکبے گفت — که در بحریم و پیدا ساحلے نیست
سفر اندر سرشت ما نهادند — ولے ایں کارواں را منزلے نیست
اگر انجم هما نستے که بود است — ازیں دیرینه تابیها چه سود است ؟
گرفتار کمند روزگاریم — خوشا آنکس که محروم و جود است

اس موقع پر جب کہ ہم پاکستان کے عظیم فلسفی شاعر کا یوم پیدائش منا رہے ہیں اور اس عظیم اسلامی مفکر کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں ہمیں تیرہ سو برس پہلے کے ماضی پر نظر ڈالنی چاہئے اور سندھ کے عظیم نوجوان فاتح اور شہید ہیرو محمد بن قاسم کی یاد بھی تازہ کرنی چاہئے جس نے

سترہ برس کی عمر میں بحری اور بری طاقت سے ھندوستان میں جہاد کیا۔ یہی وہ فاتح ہے جس نے برصغیر میں اسلام کی روشنی پھیلائی اور اموی خلافت کے تاج میں ایک بیش قیمت ھیرا مزید جڑ دیا لیکن افسوس کہ سلیمان بن عبدالملک کے ہاتھوں اس کا بھی وہی انجام ھوا جو اس کے دو مغربی فاتحوں موسی بن نصیر اور طارق بن زیاد کا ھوا تھا۔

ھمیں ان فاتحین کی خدمات کا بھی اس مقام پر اعتراف کرنا چاہئے۔ آفرین ھو ان پر جن کی بدولت اس خطہ میں اسلام کا نور پھیلا اور ھمیں اقبال جیسا مفکر ملا۔ اقبال کے ساتھ ھم ان کے لئے بھی دعائے مغفرت کرتے ھیں اور ان کی پاکیزہ ارواح پر سورۃ فاتحہ پڑھتے ھیں جو بہترین اختتام ہے۔